تلخیص

علم وادب کی تاریخ اورعوامی زندگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی انقلابات نے ہمیشہ مجموعی انسانی زندگی کو بڑے پیانے پر متاثر کیا ہے۔ ہمارے یہاں ۱۸۵۷ کے انقلابات نے ہندوستان کی پوری تاریخ و تہذیب کو زیر و زبر کر دیا تھا۔ چنانچہ مفکرین کے سامنے بڑے مسائل پیدا ہوئے۔ ان میں اکثر زندگی کی تشکیل نو کے مراحل درپیش تھے۔ بیداری کا نتیجے میں چھوٹی بڑی اصلاحی تحریکوں کے ساتھ ساتھ خودداری، خود اعتمادی اور حصول آزادی کے جذبات و احساسات بھی توانائی حاصل کرنے لگے۔قومی اور ملی تقاضوں کے ساتھ جدید تعلیمی نظام سے استفادہ اور دینی تہذیبی انداز کے تحفظ کی ضرورت شدت اختیار کرنے لگی۔ پرانے شکست خوردہ نظام کو چھوڑنا اتنا آسانا نہیں ہوتا۔ پھر بھی نئ پرانی اقدار کے تصادم سے نئ سوچ کی حامل اکثر متوازن شخصیات سامنے آنے لگیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے متنوع کاموں کو درجۂ کمال تک پہچانے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ اس درو میں سرسید کی تعلیمی تحریک نے ایک نمونے کا کام کیا۔علی گڑھ کے علاوہ دیوبند، دہلی، لکھنؤ، حیدرآباد اور دوسری بڑی شہری بستیوں نے ایسے اصحاب کو متعارف کرایا جو مختلف علمی و ادبی جہات میں امتیاز رکھتے تھے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں کم ازکم دو تین نسلوں نے ایسی شخصیات کی یادوں کو اپنے قلمی تعاون سے محفوظ کیا۔تعزیتی جلسوں اور اس دور کے مقبول رسائل میں مضامین لکھے جا رہے تھے۔ ان میں سے اکثر تحریوں میں پیرایۂ بیان تاثراتی اور موضوع

شخص ہوجاتا تھا۔ اس طرح پچاس پچپن سال کے عرصے میں اردو میں مرقع نگاری کے نقوش ابھرنے لگے۔

اس وقت تک اردو خاکہ نگاری سو سال سے زیادہ کا طویل عرصہ طے کر رہی ہے اردو ادب کی دوسری اصناف کی طرح ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ یہ صنف بھی کسی حد تک انگریزی اثرات کا نتیجہ ہوسکتی ہے۔ زبان و ادب کے اثرات دورا دراز علاقوں تک پھیلتے ہیں۔ ہم کسی صنف کی ابتدا یا اس کے مختلف ادوار پر یہ اثرات تلاش کرسکتے ہیں۔ مثلاً ۲۸۷ قبل مسیح قدیم یونان کی تاریخ سے ہمیں کردار سازی کے نقوش مل جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے حقیقتاً ایسے طریقۂ اظہار کا جس میں زبان اورتحریر کا رول اہم ہوتا ہے۔ یعنی کسی کردار کو الفاظ کے پیکر میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

انگریزی نثر میں سترہویں صدی کے ابتدائی زمانے میں عورتوں اور مردوں پر بھی خاکے لکھے گئے۔ یہ خاکے تاثراتی اورتنقیدی ہیں۔ انگریزی ادب کے دوسرے قلم کاروں کا ذکر بھی یہاں مناسب ہے۔ مثلاً جوزیف ہال Joseph Hall سرتھامس اوربری (Sir thmos Orberry) جون ایرلے John Earle، Owen Feltham وغیرہ نے خاکہ نگاری کے فن کو گویا اپنے مضامین کے ذریعے متعارف کیا۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں فرانس کے ایک ادیب (Saint Simon) سینیٹ سائمن کی تصنیف Memories میں بعض درباریوں کے مرقعے تحریر کیے ہیں۔ ان میں اکثر ذاتی پسند اور ناپسند کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ قلمی اسکیچ کی روایت بہ تدریج کس طرح ارتقا پذیر ہوئی ہے۔ بیسویں صدی کے ایک مصنف لٹن اسٹریچی کی تصنیف The Great victorian انگریزی خاکہ نگاری کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔

اردو میں خاکہ نگاری اپنی امتیازی تہذیبی خصوصیات کے ساتھ ایک مقبول صنف ہے۔ یہ ہماری تہذیب کا تقاضہ رہا ہے کہ گزری ہوئی شخصیات کو ان کے کارناموں کے ساتھ زندہ

رکھا جائے بعد میں ہم عصروں پر بھی خاکے لکھے گئے ہیں۔ ہمارا مزاج تحسین بلکہ مبالغے کو خوب گوارا کرتا ہے۔ گمراہیوں ، کمیوں یا خامیوں کو خاص طور سے تحریری سطح پر برداشت نہیں کیا جاتا۔ دبی ہوئی تنقید یا اشاراتی تنقید کو تو جوں توں گوارا کر لیا جاتا ہے۔ جو لوگ دنیا سے چلے گئے ہیں ان کے متعلق تو اکثر انسانی کمزوریوں کا ذکر آجاتا ہے۔ لیکن زندہ شخصیات کے عادات و خصائل پر قلم اٹھانا گویا جسارت یا گستاخی سے کم نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر عبدالحق ہندوستان کے تہذیبی مزاج کے شناسا ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ تصویر جس قدر بڑی شان دار اور نفیس ہوتی ہے اسی قدر اسے پیچھے ہٹ کر دیکھنا پڑتا ہے۔ تاکہ اس کے خط و خال واضح طور پر نمایاں ہو سکیں اور صناع کے کمال اور تصویر کے حسن و قبح کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ یہی حال بڑے لوگوں کا ہے جنھوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ہم عصر بے لاگ رائے دینے سے قاصر رہتے ہیں ان میں موافق بھی ہوتے ہیں اور مخالف بھی۔ اپنے تجربات کی بنا پر ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے غلط نہیں ہے۔

اچھا خاکہ لکھنے کے لئے دیانت دارانہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک مشکل فن ہے۔ صرف قصیدہ خوانی یا ہجو گوئی نہیں ہے۔ اچھی اور بڑی شخصیت ہمیشہ مثبت اور کچھ منفی پہلوؤں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ لہٰذا غیر جانب دارانہ طور سے منفرد پہلوؤں میں تناسب اور توازن کو برقرار رکھنا اور پھر لکھنے والے کا بیان گویا کمال فن کا تقاضا کرتا ہے۔ اچھے خاکے عموماً ایسے لوگوں کے قلم سے نکلے ہیں جو علم و ادب اور تہذیبی اقدار کے شناسا رہے ہیں اور جو اپنے مشاہدات و تجربات کو سلیقے سے پیش کرنے کا فن جانتے ہیں۔

جہاں تک روایت کے تشکیل پانے کا مسئلہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ اردو مرقع نگاری کے ابتدائی نقوش تذکروں میں مل جاتے ہیں۔ محمد حسین آزاد پہلے تذکرہ نگار ہیں جن کے یہاں (آب حیات) میں خاکہ نگاری کے عناصر بہتر شکل میں نظر آتے ہیں۔ دراصل تذکروں میں شاعروں کے کلام کے امتیازات اور ان کے حالات زندگی بھی بیان کردیے گئے ہیں۔ لکھنے

والوں نے ادبی سرمایہ کو محفوظ کرنے کی کوشش کی تھی۔ شعوری طور پر خاکہ نگاری ان کے پیش نظر نہیں تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ آب حیات میں شاعروں کا کلام، مشاعروں اور محفلوں کے مناظر شاعروں کے حلیے وغیرہ اس قدر شگفتہ و شیریں نثر میں تحریر کر دیے گئے ہیں۔ بہر حال خاکہ نگاری تاریخ تنقید یا تنقیص یا خالص مدح نہیں ہوتی۔

انیسویں صدی کے آخر سے وسط بیسویں صدی تک جن لوگوں نے مضامین لکھے ہیں ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ اس عرصے میں مرقع نگاری کی ایک روایت ابھرتی اور پنپتی ضرور نظر آتی ہے۔ اس دور کے مختصر اور مربوط تحریریں مضمون نگاری سے خاکہ نگاری تک مختلف مراحل فن طے کرتی ہوئی مشاہیر کی حیات اور کارناموں کو ناقابل فراموش بنایا۔ لکھنے والوں کا قد بھی کچھ کم نہ تھا۔ یہ سب علمی ادبی میدانوں کے ممتاز اہل قلم تھے۔ اس طرح خاکہ نگاری کے اکثر جاذب نظر عناصر نے ایسی تحریروں کو مقبول بنایا۔ کہیں زبان کا چٹخارہ ہے کہیں حلیہ بہت جاذب نظر ہے کہیں اقدار کی تلاش کا خوب صورت فن کارانہ اظہار توجہ طلب ہے۔ کہیں سوانحی معلومات کے امتیاز سے ایک تصویر برآمد ہوتی نظر آتی ہے۔ تاریخی شخصیات کو اپنی ہم عصر زندگی میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس مخصوص روایت میں سوانحی مواد پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ خاکہ نما مضامین تعزیتی جلسوں کے لئے لکھے جاتے تھے یا مقبول رسائل میں شائع کئے گئے۔ اس میں کسی شخصیت کی سوانحی معلومات درج کرنا اس طرح گویا ممکن تھا۔ چنانچہ اکثر خاکے سوانحی کوائف کے انبار سے طلوع ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان خاکوں پر سرسید کے اسلامی مشن (تحریک) کے اثرات بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ ان میں مثالیت کی لے خاص اونچی نظر آتی ہے۔ اس دور کے لکھنے والوں میں عبدالحلیم شرر، آغا حیدر حسن رسوا، ڈاکٹر عبدالحق، مرزا فرحت اللہ بیگ، خواجہ حسن نظامی اور رشید احمد صدیقی کے نام شامل ہیں۔ ان میں کچھ صاحبان ۱۹۴۷ کے بعد بھی لکھتے رہے۔ بعض کتابیں مجموعۂ مضامین کی شکل میں بہت بعد میں شائع ہوئیں۔ اس کا

مطلب یہ نہیں ہے کہ مشمولہ مضامین کو بھی انہی تاریخوں سے دیکھا جائے جس میں کہ وہ کتاب آئی ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر عبدالحق نے بعض مضامین انیسویں صدی کے آخر میں لکھے ہیں۔ کتابی شکل میں چند ہم عصر ۱۹۳۷ میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئے۔ لہذا روایت کی ترتیب میں ایسی معلومات درج کرنا بھی ضروری ہے۔

۱۹۳۵ میں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو ادب میں ایک نئی سمت کا اضافہ ہوا۔ اور ہر صنف ادب میں اس کا اثر نظر آنے لگا۔ خاکہ نگاری بھی اس سے متاثر ہوئی۔ اب خاکہ نگار شخصیت کو اس کے مکمل رنگ و روپ یعنی اچھائیوں اور برائیوں کے ساتھ زیادہ واضح الفاظ میں بے خوف ہو کر پیش کرنے لگا۔ کردار کے باطنی مشاہدے کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ شخصیت کا نفسیاتی تجربہ پیش کیا گیا۔ اس طرح خاکہ نگاری میں نئے اسلوب نگارش عام ہوئے۔ منٹو، عصمت نے گنجے فرشتے اور دوزخی میں شخصیات کو سفاکی کے ساتھ پیش کیا۔ لیکن اس سفاکی میں بھی ہمدردی کا عنصر غالب تھا۔ اس دور کے خاکہ نگاروں نے انسانی فطرت، اس کی نفسیات اور اس کے جذبات و احساسات کی گہرائی تک پہنچ کر اس کی از سر نو تشکیل کی۔

۱۹۴۷ کے بعد خاکہ نگاری نے بہت تیزی سے ترقی کی اور بہت مقبولیت حاصل کی۔ اس مقبولیت کی خاص وجہ یہ ہے کہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پاکستان میں بھی اردو ادب کے صفِ اول کے ادیبوں نے اس صنف میں اپنے فن پارے پیش کیے۔ ان میں کچھ اہم نام ہیں۔ رئیس احمد جعفری، فکر تونسوی، فارغ بخاری، جنید احمد، ضیاء الدین احمد برنی، شاہد احمد دہلوی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، علی سردار جعفری، رشید احمد صدیقی، سلیمان اطہر جاوید، غیور حسن، سید سلیمان ندوی، مجتبیٰ حسین، رحیم گل، اے حمید وغیرہ نے مختلف انداز میں خاکے لکھے ہیں۔ ان میں کچھ نے مزاحیہ اسلوب نگارش اختیار کیا۔ اور کچھ نے سوانحی انداز میں خاکے لکھے۔ کسی نے افسانوی طرز اختیار کیا اور کچھ نے طنز و مزاح کا سہارا لیا۔ اس طرح خاکہ نگاری میں رنگا رنگی نظر آئی۔ اردو خاکہ نگاری کو ترقی کی نئی منزلیں حاصل ہوئیں۔

اس صنف کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عام قارئین نے بھی اس میں اپنی دل چسپی ظاہر کی اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ظاہر ہے مشہور و معروف شخصیتوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش انسانی فطرت میں شامل ہے اور انسان کی اس خواہش کی تکمیل خاکہ سے بہتر کوئی صنف ادب نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ خاکہ کو زیادہ دل چسپ، دل کش اور پر اثر بنانے کی کوشش خاکہ نگاروں نے کی۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پاکستان میں بھی جو خاکے لکھے گئے وہ فنی لحاظ سے بہتر ہیں۔

اردو ادب کے مستقبل سے ہم مایوس نہیں ہیں کیوں کہ جس طرح اردو زبان دنیا میں مقبول ہو رہی ہے اردو مراکز کام کر رہے ہیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خاکہ نگاری کا مستقبل بھی روشن ہے۔ آج دنیا کے تمام ممالک اس قدر قریب آ چکے ہیں ایک ملک کی شخصیت دوسرے ملک کی شخصیت سے کسی نہ کسی سطح پر قریب نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صنف میں زیادہ اسالیب سامنے آ رہے ہیں اور علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، تہذیبی اور سائنسی پس منظر میں زیادہ خاکے لکھے جا رہے ہیں اور آگے بھی لکھے جاتے رہیں گے۔